AL-HAYAT Research Journal
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759
Volume 3 Issue 2 (Jan-Mar 2026)

زاہدہ حنا کے افسانوں میں سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل کی عکاسی

The Reflection of Political, Social, and Economic Issues in the Short Stories of Zahida Hina

Ghulam Shabbir
PhD Urdu Scholar National College of Business Administration and Economics Multan
Email: shabirsial506@gmail.com

Dr. Aslam Aziz Durrani
Department of Urdu National College of Business Administration and Economics Multan

Abstract
This research article offers a profound analytical study of the thematic, aesthetic, and ideological dimensions of Zahida Hina's fictional oeuvre. Deviating from traditional modes of storytelling, Hina seamlessly intertwines her narrative art with a global consciousness and international political acumen. By establishing an organic link between history, the present, and the future, she seeks the reclamation of distorted historical truths through literature. The study delineates how her short stories courageously interrogate imperialist contradictions, the severe socio-psychological impacts of war on women and marginalized strata, the trauma of migration, and the atrocities of authoritarian regimes. The article demonstrates that her literary trajectory evolves from romantic pessimism into a robust paradigm of intellectual maturity and resistance literature. Ultimately, her fearless characters refuse escapism, establishing a sustainable intellectual discourse against exploitative global and domestic structures.

Keywords: Zahida Hina, Urdu Fiction, Short Story, Political Consciousness, Resistance Literature, Historical Reclamation, Socio-Economic Exploitation, Psychological Impact of War, Trauma of Partition

پاکستان کی سیاسی تاریخ تضادات، نشیب و فراز اور ایک غیر متوازن ارتقائی عمل کی آئینہ دار رہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ قومی اور عوامی سطح پر ایک پختہ توقع تھی کہ یہ نئی ریاست جمہوری اصولوں اور عوامی نمائندگی کی بنیاد پر ترقی و استحکام کی راہ اختیار کرے گی، مگر تلخ حقیقت یہ ہے کہ عملاً ایسا نہ ہو سکا۔ ملک کو مسلسل آئینی بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا، مارشل لاء کی مداخلت نے جمہوری تسلسل کو توڑا، اور انتخابی عمل پر شکوک و شبہات، سیاسی جماعتوں میں داخلی جمہوریت کی کمی اور بدعنوانی جیسے مسائل نے سیاست کو اس کے اصل مقصد یعنی عوامی خدمت سے کوسوں دور کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوامی شعور اور جمہوری ڈھانچے پر گہرے اور منفی اثرات مرتب ہوئے۔ ادبی صحافت اور تحقیق میں بھی ان سیاسی مسائل کی بازگشت سنائی دیتی ہے جہاں لکھنے والوں نے اپنے اپنے انداز میں اس تلخ حقیقت کو بیان کیا ہے۔

اردو افسانہ ہمیشہ اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات کا عکاس رہا ہے۔ جب بھی سیاست بحران کا شکار ہوئی تو اس کی جھلک افسانہ نگاری میں بھی نمایاں نظر آئی، مثلاً دھاندلی، کرپشن، آمریت اور عوامی استحصال جیسے مسائل کو افسانہ نگاروں نے علامتی اور حقیقت نگارانہ انداز میں پیش کیا۔ بیدی، منٹو اور انتظار حسین جیسے افسانہ نگاروں نے تقسیم کے بعد کے سیاسی عدم استحکام کو انسانی کرداروں کے ذریعے اجاگر کیا جبکہ بعد کے لکھنے والوں نے سیاست دانوں کی موقع پرستی، عوامی خوابوں کی شکست و ریخت اور جمہوری ناکامیوں کو اپنی کہانیوں میں موضوع بنایا۔ افسانہ چونکہ براہ راست سیاسی نعرہ بازی کا نہیں بلکہ انسانی زندگی کے دکھوں اور تضادات کا آئینہ دار ہوتا ہے اس لیے اس میں سیاسی مسائل ذاتی محرومیوں، طبقاتی کشمکش اور سماجی ناانصافیوں کے روپ میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

افسانہ نہ صرف سیاسی مسائل کی تاریخی تصویر پیش کرتا ہے بلکہ ان کے عوامی و نفسیاتی اثرات کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔ اردو افسانے کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سیاسی مسائل ہمیشہ سے اس کے بنیادی موضوعات میں شامل رہے ہیں۔ افسانہ زندگی کی سچائیوں کا عکس ہوتا ہے اور سیاست براہ راست عوام کی زندگی کو متاثر کرتی ہے اس لیے افسانہ نگار نے اسے

CC BY

کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ تقسیم ہند کے بعد وجود میں آنے والے سیاسی بحران، ہجرت کے مسائل، اقتدار کی کشمکش، آمریت، انتخابی دھاندلی، کرپشن اور طبقاتی ناہمواری جیسے مسائل اردو افسانے میں علامتی اور حقیقت پسندانہ دونوں انداز میں جگہ پاتے ہیں۔ سعادت حسن منٹو کا افسانہ "ٹوبہ ٹیک سنگھ" تقسیم کے بعد کے سیاسی حالات اور دونوں ریاستوں کی غیر انسانی پالیسیوں پر گہرا طنز ہے۔ اس میں سرحد کے دونوں جانب کی سیاست کو پاگل خانے کے استعارے سے بیان کیا گیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ سیاسی فیصلوں نے عوام کو ذہنی و نفسیاتی اذیت میں مبتلا کر دیا۔

اردو فکشن میں زاہدہ حنا کا شمار ان تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے فن کے ذریعے معاشرے کے سلگتے ہوئے مسائل کو نہ صرف موضوع بنایا بلکہ ان پر جرات مندانہ اظہار خیال بھی کیا۔ ان کے افسانے محض تخیلاتی دنیا کی عکاسی نہیں کرتے بلکہ حقیقت کے کڑوے گھونٹ پینے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں سیاسی شعور، تاریخی حقائق، تقسیم ہند کا المیہ اور ہجرت کا درد ایک ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ زاہدہ حنا کے افسانوی مجموعوں میں "قیدی سانس لیتا ہے"، "راہ میں اجل ہے" اور "رقص بسمل ہے" شامل ہیں۔

زاہدہ حنا کے افسانوں کا سب سے نمایاں پہلو ان میں موجود سیاسی اور سماجی جبر کے خلاف احتجاجی رنگ ہے۔ ان کی تخلیقات میں ایک بغاوت کی کیفیت اور ظلم کے خلاف مزاحمت کا پہلو نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ زاہدہ حنا کے نزدیک تاریخ کو صرف حکمرانوں کی لکھی ہوئی عینک سے دیکھنا ناانصافی ہے، وہ اس تاریخ کو مسخ شدہ تصور کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ صحیح تاریخ کی بازیافت ادب ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے ماضی کے واقعات کو محض بیان نہیں کرتے بلکہ ان پر نئے سوال اٹھاتے ہیں۔ ان کے ہاں تاریخ، حال اور مستقبل کی صورت گری کے ساتھ ایک فکری گہرائی پیدا کرتی ہے جو قاری کو محض ماضی بینی پر نہیں چھوڑتی بلکہ حال کے مسائل کی تفہیم پر بھی آمادہ کرتی ہے۔ زاہدہ حنا کے افسانوں میں تاریخی موضوع کے حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

"زاہدہ حنا ایک روشن خیال اور ترقی پسند فکر کی حامل ادیبہ ہیں۔ وہ تاریخ اور ماضی سے گہری دلچسپی رکھتی ہیں، مگر یہ لگاؤ محض ماضی پرستی نہیں بلکہ اس حد تک ہے کہ اس کے ذریعے موجودہ عہد کے تضادات اور مسائل کو سمجھا جا سکے۔ ان کا افسانہ "اجل ہے سارا جال" ایک نہایت جرات مندانہ تخلیق ہے۔ اس میں وہ اس رویے کو موضوع بناتی ہیں جو ایک دور میں پاکستانی معاشرے میں عام تھا کہ عرب ہی ہمارے سرپرست اور کفیل ہیں، اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک غیر صحت مند تصور یہ تھا کہ خواتین کو بطور نذرانہ پیش کر کے تعلقات کو مضبوط بنایا جائے۔ زاہدہ حنا ان معاملات کو محض نظر انداز نہیں کرتیں بلکہ باشعور لکھاری کی حیثیت سے ان پر کھل کر اظہار کرتی ہیں۔ ان کا لہجہ احتجاجی اور دل سوز ہوتا ہے، اگرچہ کبھی کبھی ان کی یہ بے باکی افسانے کی فضا پر بھی اثر انداز ہو جاتی ہے۔"(۱)

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زاہدہ حنا ایک روشن خیال اور ترقی پسند ادیبہ ہیں جو ماضی اور تاریخ کو محض ماضی پرستی نہیں سمجھتی ہیں۔ ان کا افسانہ "اجل ہے سارا جال" اس حقیقت کا مظہر ہے کہ وہ سماج میں رائج ان تلخ اور حساس رویوں کو بھی موضوع بناتی ہیں جن پر اکثر لوگ خاموش رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ انہوں نے پاکستانی معاشرے کی اس ذہنیت پر کڑی تنقید کی کہ عرب ممالک کو رازق اور سرپرست سمجھا جاتا ہے اور ان کی خوشنودی کے لیے خواتین کو بطور تحفہ پیش کرنے کا غیر اخلاقی رجحان اپنایا جاتا ہے۔ زاہدہ حنا کی تخلیقی کائنات میں تقسیم ہند اور ہجرت کے کرب کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ تقسیم ہندوستان اور بعد ازاں بنگلہ دیش کی علیحدگی نے برصغیر کے باشندوں کو مسلسل جلاوطنی اور بے گھری کا شکار بنایا۔ زاہدہ حنا خود بھی اس سانحے کی عینی شاہد ہیں، کیونکہ ان کے خاندان نے آبائی علاقے کو ترک کر کے ہجرت کا کرب جھیلا۔ یہی تجربہ ان کی تحریروں میں گہری کسک اور تہذیبی شکست وریخت کے دکھ کو جنم دیتا ہے۔ ان کے نزدیک تقسیم کا المیہ محض جغرافیائی تبدیلی نہیں بلکہ اقدار، روایت اور مشترکہ تہذیب کے انہدام کی علامت ہے۔ زاہدہ حنا کے افسانوی مجموعوں میں واضح ارتقائی سفر دکھائی دیتا ہے۔ "قیدی سانس لیتا ہے" میں رومانوی قنوطیت کا رنگ موجود ہے لیکن "راہ میں اجل ہے" تک آتے آتے ان کے اسلوب میں حقیقت پسندی غالب آجاتی ہے۔ یہاں رومانوی رنگ پس منظر میں چلا جاتا ہے اور تلخ سیاسی و سماجی حقائق نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جب کہ "رقص بسمل ہے" میں وہ فکری بلوغت کی معراج پر نظر آتی ہیں۔ اس مجموعے کے افسانوں میں جنگ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تباہ کاریوں کو انسانی زندگیوں پر پڑنے والے اثرات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

زاہدہ حنا کے افسانوں میں سیاسی شعور اور تاریخ کے تناظر میں موجودہ حالات کی عکاسی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ افسانہ "آنکھوں کو دکھ کے طاق پر دیکھا کرے کوئی" اس بات کا بہترین ثبوت ہے، جس میں مصنفہ نے ۱۹۹۳ء میں وائٹ ہاؤس پر ہونے والے حملے کی مثال پیش کی ہے۔ یہ واقعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اقتدار کے حصول کے لیے طاقت ور قوتیں عوامی جان و مال کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔ ایک ہی سرزمین کے لوگ ایک دوسرے کے دشمن بنا دیے جاتے ہیں اور طاقت کی سیاست میں معصوم انسان سب سے زیادہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہ منظر نامہ محض ماضی کی جھلک نہیں بلکہ مصنفہ کی نظر میں ہر عہد کا المیہ ہے۔ زاہدہ حنا نے اس واقعے کو پاکستانی تناظر سے جوڑتے ہوئے "لال مسجد" کے سانحے کو بھی یاد دلایا ہے جہاں ریاستی فیصلوں نے اپنے ہی شہریوں کو قربانی کا بکرا بنایا اور بے شمار معصوم زندگیاں ضائع ہوئیں۔ ان کا افسانہ یہ احساس دلاتا ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور اقتدار کی سیاست میں سب سے بڑی قربانی عوام ہی کی ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو وہ کچھ اس انداز میں بیان کرتی ہیں:

"تین اکتوبر کا وہ اتوار ہماری قومی تاریخ میں ایک اور المناک دن کے طور پر درج ہو چکا ہے۔ پارلیمنٹ کے اندر پناہ لینے والوں پر نہ صرف کھانے پینے کی پابندی عائد کر دی گئی بلکہ بجلی کی فراہمی بھی منقطع کر دی گئی تھی۔ عمارت کی کھڑکیوں میں ٹمٹماتی شمعیں اس گھٹن زدہ ماحول کی خاموش گواہی دے رہی تھیں۔ ٹیلی ویژن ہاؤس کے باہر آدھی رات کو مارے جانے والے بے گناہ افراد کی لاشیں دیر تک بے یار و مددگار پڑی رہیں۔ یہ منظر دیکھ کر یہی سوال ابھرتا ہے کہ آخر یہ کس کس کے لہو کی سرخی ہے جو تاریخ کے دامن پر بکھر گئی ہے۔"(۲)

اس اقتباس میں زاہدہ حنا نے اقتدار کی کشمکش اور ریاستی جبر کی سنگینی کو نمایاں کیا ہے۔ وہ دکھاتی ہیں کہ جب طاقت اور سیاست کا کھیل اپنے عروج پر ہوتا ہے تو انسانی جان کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔ پارلیمنٹ میں پناہ لینے والوں پر بنیادی ضروریات جیسے کھانا، پانی اور بجلی تک بند کر دی گئیں جو اس بات کا اظہار ہے کہ اقتدار کی جنگ میں انسانی اخلاقیات کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ ٹیلی ویژن ہاؤس کے باہر بے گناہوں کی لاشوں کا زمین پر پڑا رہنا اس بے حسی اور ظلم کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے جو حکمران طبقات کے فیصلوں کا نتیجہ ہے۔ افسانے میں "معدوم ابن معدوم" جیسے فرضی کرداروں کے ذریعے پاک و ہند کی تاریخ کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ تقسیم کے بعد جب بھی دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہوئے تو سب سے پہلے عوام کے درمیان آمد و رفت اور روابط کو بند کر دیا گیا جو اس بات کا اظہار ہے کہ سیاسی فیصلوں کی قیمت ہمیشہ عام انسان کو ہی چکانی پڑتی ہے۔ زاہدہ حنا ان حالات کی سنگینی کو کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں :

"ہندوستان اور پاکستان کے درمیان خط و کتابت منقطع تھی ٹیلی فون پر بات چیت ممکن نہ تھی اور ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا بھی ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ ایسے میں ہوتے کی پیدائش کی اطلاع لندن کے راستے پہنچی۔ خبر سن کر وہ لبوں پر مسکراہٹ سجا لیتی تھیں مگر آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش رکنے کا نام نہ لیتی تھی۔"(۳)

اس اقتباس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پاک و ہند کے درمیان سیاسی کشیدگی اور تعلقات کی بندش نے ذاتی و خاندانی رشتوں کو بھی شدید متاثر کیا۔ عزیزوں کی خوشیاں اور غم ایک دوسرے تک پہنچنے کے لیے غیر ممالک کے راستے کے محتاج ہو گئے۔ زاہدہ حنا نے اس منظر کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ سرحدی تناؤ صرف سیاسی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی زندگیوں، جذبات اور رشتوں پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ خوشی کے مواقع بھی دکھ اور محرومی میں بدل جاتے ہیں جب اپنوں تک براہ راست پہنچنا ممکن نہ ہو۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ جنگ ہمیشہ اقتدار کے ایوانوں میں بسنے والے حکمرانوں کے فیصلوں کا نتیجہ رہی ہے۔ عوام جو دراصل جنگ کے سب سے بڑے متاثرین ہوتے ہیں ان کے پاس نہ تو امن و جنگ کے فیصلوں میں کوئی اختیار ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب طاقت کے ایوانوں میں انا پرستی، ذاتی مفاد یا نظریاتی کشمکش غالب آتی ہے تو اس کا خمیازہ بے گناہ عوام کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"جنگ ہتھیاروں کی ہو، اعصاب کی، سرد ہو یا جوہری، علاقائی ہو یا عالمی اس میں ایک خصوصیت ہمیشہ مشترک رہی ہے کہ عوام کا بالعموم اس سے بلاواسطہ تعلق نہیں ہوتا۔ امن اور جنگ کا اختیار چند بڑوں کو ہوتا ہے۔ حکومت جنگ چھیڑنے سے پہلے عوام کی رائے نہیں دریافت کرتی۔ اس لیے بعض صورتوں میں عوام حکومت کی وجہ کو اپنے لیے درست تسلیم نہیں کرتے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ چند استثنائی صورتوں سے قطع نظر عوام کا جنگ سے اتنا تعلق نہیں ہوتا جتنا کہ برسر اقتدار فرد یا افراد کی انا ہوں، یا ذہنی الجھنوں کا ہوتا ہے۔"(۴)

اس اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جنگ کا اصل اختیار عوام کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے حکمرانوں اور طاقتور طبقات کے پاس ہوتا ہے۔ عوام براہ راست جنگ کے فیصلوں میں شامل نہیں ہوتے بلکہ ان پر یہ فیصلے مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ نتیجتاً وہی عوام جو جنگ کے آغاز میں لاعلم اور بے اختیار ہوتے ہیں بعد میں اس کے سب سے بڑے متاثرین بھی بنتے ہیں۔ اقتباس اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ جنگ دراصل حکمرانوں کی ذاتی انا، خواہشات اور سیاسی مقاصد کا کھیل ہوتی ہے جس میں عوام محض قربانی کا سامان بنتے ہیں۔ زاہدہ حنا کا افسانہ "رقص مقابر" افغانستان کی سیاسی تاریخ اور خونریز واقعات کا عکس ہے، جس میں انہوں نے اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ اقتدار کے حصول کی دوڑ میں مسلمان حکمران اور گروہ کس طرح اپنے ہی لوگوں کے خلاف برسرپیکار ہو جاتے ہیں۔

زاہدہ حنا اردو افسانوی ادب کا وہ معتبر نام ہیں جنہوں نے کہانی کو محض تفریح یا داخلی جذبات تک محدود رکھنے کے بجائے اسے عالمی شعور اور بین الاقوامی سیاسی بصیرت سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ ان کے افسانے سرحدوں کی قید سے آزاد ہو کر انسانیت کے اجتماعی دکھ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کا فکری کینوس اس قدر وسیع ہے کہ وہ کابل کی گلیوں سے لے کر بامیان کی وادیوں اور مشرقی پاکستان کے ساحلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ زاہدہ حنا کی تحریروں میں جو تڑپ نظر آتی ہے وہ دراصل اس آفاقی سچائی کی تلاش ہے جسے مصلحتوں اور طاقت کے ایوانوں نے دفن کر دیا ہے۔

افغانستان کے سیاسی و سماجی المیے پر ان کی گرفت نہایت مضبوط ہے۔ وہ اسے محض ایک ملک کی خانہ جنگی نہیں بلکہ عالمی طاقتوں کے مفادات کا وہ اکھاڑہ قرار دیتی ہیں جہاں انسانی خون کی کوئی قیمت نہیں۔ ان کے افسانے "رقصِ مقابر" میں وہ اس تضاد کو آشکار کرتی ہیں کہ کس طرح مذہبی نعروں کے پیچھے اقتدار کی ہوس چھپی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتی ہیں:

"ان گستاخوں کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے انہیں پل چرخی کے زندان میں بند کیا جائے۔ ہم کفار کو تہس نہیں کرنے آئے ہیں۔ اور ہمیں اسلحہ چاہیے خواہ وہ افرنگی ہو یا امریکی۔"(۵)

زاہدہ حنا اس اقتباس کے ذریعے شدت پسندانہ ذہنیت کے اس تضاد کو سامنے لاتی ہیں کہ ایک طرف تو جہاد کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے اور دوسری طرف اسی اسلحے کی طلب کی جاتی ہے جو انہی طاقتوں کا تیار کردہ ہے جنہیں وہ دشمن قرار دیتے ہیں۔ یہ منافقت دراصل اس بات کی علامت ہے کہ یہاں مذہب کو محض ایک ڈھال کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے تاکہ سیاسی تسلط قائم کیا جاسکے۔ وہ یہ سوال اٹھاتی ہیں کہ جب مارنے والا اور مرنے والا دونوں ایک ہی کلمے کے دعویدار ہوں تو پھر اصل حق پر کون ہے؟ ان کے نزدیک یہ صورتحال اسلام کی اصل روح کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ ان کے افسانوں میں انسانیت کا تصور کسی خاص خطے یا مذہب تک محدود نہیں ہے۔ وہ ہر اس آواز کے ساتھ کھڑی ہوتی ہیں جسے جبر کے ذریعے دبانے کی کوشش کی جائے۔ آسیہ نازلی کے بقول:

"دنیا میں انسان اپنی شناخت کو قومیت، نسل اور سرحدوں کی بنیاد پر متعین کرتا ہے۔ کہیں کوئی امریکی ہے، کہیں کوئی یورپی، کوئی بھارتی یا پاکستانی۔ لیکن آدم کی اولاد ہونے کا تصور کہیں باقی نہیں رہا۔ یہی دکھ زاہدہ حنا کو کچوکے لگاتا ہے۔"(۶)

یہ دکھ زاہدہ حنا کے فن کی بنیاد ہے جو انہیں ایک آفاقی ادیبہ بناتا ہے۔ ان کے نزدیک انسانی تقسیم کے یہ فارمولے محض مصنوعی ہیں اور جب یہ درد باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو صنف اور جغرافیے کی تفریق مٹ جاتی ہے۔ وہ تاریخ کے جبر کو حال کے تناظر میں دیکھتی ہیں۔ افسانہ "کم کم بہت آرام سے ہے" میں وہ کابل کی تباہی کو چنگیز خان کی سفاکیت سے جوڑ کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ طاقت کی اندھی خواہش ہمیشہ معصوموں کی قربانی مانگتی ہے۔ اس تاریخی سفاکیت کا نقشہ وہ یوں کھینچتی ہیں:

"چہیتے پوتے کی موت نے چنگیز خان کو اس قدر صدمے سے دوچار کیا کہ اس نے بامیان کی وادی میں زندگی کے ہر نشان کو مٹا دینے کا حکم دے دیا۔ وہاں کسی مرد، عورت، بچے یا بوڑھے کو زندہ نہ چھوڑا گیا۔ ظلم کی انتہا یہ تھی کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے نومولود بچوں کو نکالا گیا اور بے دردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔"(۷)

یہ لرزہ خیز منظر کشی دراصل عصرِ حاضر کی ان جدید جنگوں کا استعارہ ہے جہاں کلسٹر بموں اور ڈرون حملوں کے ذریعے معصوم زندگیوں کو روند دیا جاتا ہے۔ زاہدہ حنا یہ بتانا چاہتی ہیں کہ تاریخ کے یہ خونریز باب بدلے نہیں بلکہ نئے ناموں کے ساتھ آج بھی دہرائے جارہے ہیں۔

اسی طرح سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے ان کا افسانہ "پھر حکم صادر ہوا" سیاسی سازشوں اور اندرونی نفرتوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ وہ دکھاتی ہیں کہ کس طرح عوامی سطح پر تعصب کے بیج بو کر ایک ہی ملک کے دو حصوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا گیا۔ اس دور کے تلخ رویوں کی عکاسی وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں:

"کیا یہ ممکن ہے کہ ہم پر کالے حکمران مسلط ہوں؟ ہم کیوں ان غدار بنگالیوں کے حق میں آواز بلند کریں یا احتجاج کریں؟ ان کا انجام صرف یہ ہونا چاہیے کہ ایک ایک کو ختم کر دیا جائے۔ یہ لوگ پاکستان کا رزق کھاتے ہیں مگر گیت بھارت کے گاتے ہیں۔"(۸)

یہ اقتباس اس سماجی خلیج کی نشاندہی کرتا ہے جس نے ملک کو دولخت کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ زاہدہ حنا کے کردار بھی ان کی اپنی شخصیت کی طرح نڈر اور حق گو ہیں۔ وہ فراریت کے بجائے حالات کا مقابلہ کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ آسیہ نازلی اس حوالے سے لکھتی ہیں:

"زاہدہ حنا کے کردار حالات سے فرار نہیں بلکہ موت سے ٹکرانے کا حوصلہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں ان کی شخصیت اور سوچ کرداروں کے ذریعے جھلکتی ہے۔ خاندان کی طرف سے وراثت میں زاہدہ حنا کو بغاوت اور حق کے لیے آواز بلند کرنے کا جو عنصر ملا ہے یہ کردار اس کی تفسیر ہیں۔"(۹)

آخر میں، افسانہ "زیتون کی شاخ" کے ذریعے وہ نوجوان نسل کے اس استحصال کو اجاگر کرتی ہیں جہاں انہیں ایسی جنگوں کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے جن کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایڈگر کی بے بسی اس عالمی المیے کی عکاسی ہے جہاں طاقتوروں کے فیصلے معصوموں کی زندگیاں نگل جاتے ہیں:

CC BY

''ان میں سے کچھ میرین یونیفارم میں تھے اور بعض امریکن آرمی کی وردی پہنے ہوئے تھے۔ یہ سب لڑکے جن کی ابھی کھیلنے کی عمریں تھیں، اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایک ایسی جنگ لڑنے جارہے تھے جو ان کی اپنی جنگ نہ تھی۔''(۱۰)

زاہدہ حنا کا فن دراصل ایک ایسا آئینہ ہے جس میں عالمی سیاست کے گھناؤنے چہرے اور انسانیت کی سسکتی ہوئی سچائیاں صاف دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کی تحریریں قاری کو محض متاثر نہیں کرتیں بلکہ اسے سوچنے اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے پر مجبور کرتی ہیں۔

زاہدہ حنا کا فن محض افسانہ نگاری کے روایتی سانچوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان کی تحریریں عہدِ حاضر کی سیاسی تاریخ، استحصالی نظام اور انسانی نفسیات کے مابین گہرے تضادات کا ایک ایسا جامع نوحہ ہیں جو قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ان کے افسانوں میں جنگ کے اثرات کو خاص طور پر عورت کی کچلی ہوئی زندگی اور اس کی نفسیاتی شکستگی کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ دکھاتی ہیں کہ بین الاقوامی سیاست کی بساط پر جب سامراجی قوتیں اپنی خود غرض پالیسیاں مرتب کرتی ہیں، تو ان کی قیمت کسی ریاست کے حکمران نہیں بلکہ وہ غریب نوجوان چکاتے ہیں جنہیں اپنے خوابوں کی تکمیل کے بجائے دوسروں کی اقتدار کی ہوس کی جنگ لڑنی پڑتی ہے۔ ایک عورت اس خونی کھیل میں سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہے، کیونکہ اس کی آواز اقتدار کے ایوانوں تک نہیں پہنچ پاتی۔

افسانہ "رنگ تمام خون شدہ" میں زاہدہ حنا نے اقتدار کی نفسیات اور حکمران طبقے کے منافقانہ رویوں سے بڑی بے باکی کے ساتھ پردہ اٹھایا ہے۔ ان کا مشاہدہ ہے کہ جب بھی کوئی مخصوص طبقہ کرسیِ اقتدار پر متمکن ہوتا ہے، اس کا اولین مقصد عوام کی فلاح کے بجائے ان کا استحصال اور اپنے طبقاتی مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ یہ حکمران طبقہ اخلاقیات اور اصولوں کے دوہرے معیار اپنائے ہوئے ہے؛ اپنے لیے الگ ضابطے بناتا ہے اور عوام کے لیے الگ سخت قوانین وضع کرتا ہے۔ سیاست کے میدان میں اترتے وقت یہ لوگ عوامی ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر، ووٹ حاصل کرنے کے لیے بلند و بانگ وعدے کرتے ہیں اور غریب عوام کا اعتماد جیتنے کا ہر ممکن ناٹک رچاتے ہیں، مگر اقتدار کی ہوس پوری ہوتے ہی ان کا لہجہ اور رویہ مکمل طور پر فرعونیت میں بدل جاتا ہے۔ وہ اپنے جبر کو جائز قرار دینے کے لیے مذہب اور مقدس اصطلاحات کا سہارا لیتے ہیں تاکہ عوام ان کی اطاعت کو الٰہی حکم سمجھ کر قبول کر لیں۔

اردو افسانوی ادب کی تاریخ میں سماجی اور معاشی محرکات کی عکاسی ایک مستحکم روایت کے طور پر موجود رہی ہے، جہاں قلم کاروں نے اپنے عہد کے معاشی تضادات اور طبقاتی کشمکش کو تخلیقی سطح پر پینٹ کیا ہے۔ ان فنکاروں میں زاہدہ حنا کا نام اپنی منفرد معاشی بصیرت اور گہرے سماجی مشاہدے کے باعث نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے انسانی زندگی کے ان تاریک گوشوں کو نمایاں کیا ہے جو معاشی ناہمواری، غربت، بے روزگاری اور معاشرتی تفریق کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔ زاہدہ حنا کی تحریریں محض واقعاتی عکاسی نہیں کرتیں، بلکہ ان کے ہاں معاشرتی حقیقت نگاری اور انسانی ہمدردی کا ایک ایسا امتزاج ملتا ہے جو پسے ہوئے طبقات کی زندگی کے پیچیدہ معاشی مسائل کو پوری شدت کے ساتھ واضح کرتا ہے۔ ان کے افسانوی کینوس پر متوسط اور نچلے طبقے کے افراد کی زندگی میں موجود محرومیاں، روزگار کے حصول میں درپیش دشواریاں اور معاشی عدم استحکام کے اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

زاہدہ حنا کے فن کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے عورت کی زندگی کو صرف جذباتی یا گھریلو حدود تک محدود رکھنے کے بجائے اسے درپیش معاشی دباؤ اور سماجی پابندیوں کے تناظر میں بھی دیکھا ہے۔ ان کی کہانیاں یہ ثابت کرتی ہیں کہ عورت کس طرح زندگی کی تلخ حقیقتوں اور معاشی جبر کا سامنا کرتی ہوئی اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے۔ مزید برآں، زاہدہ حنا کے ہاں معاشی مسائل محض مقامی یا علاقائی حدود تک قید نہیں رہتے، بلکہ وہ ان مسائل کو ایک وسیع تر تہذیبی اور عالمی تناظر میں پرکھتی ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دورِ حاضر میں جو نام نہاد ترقی ہو رہی ہے، وہ دراصل کمزور طبقوں اور محکوم قوموں کے معاشی استحصال پر قائم ہے۔ وہ صنعتی انقلاب کے اس پہلو پر کڑی تنقید کرتی ہیں جس نے چند ہاتھوں میں دولت کا ارتکاز کر دیا اور لاکھوں محنت کشوں کو مزید محرومیوں کی طرف دھکیل دیا۔ زاہدہ حنا کا قلم اس ظالمانہ ترقی کے پردے میں چھپی بربادی کو بے نقاب کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''دنیا کی نام نہاد ترقی جو اپنے بطون میں بے پناہ تباہی اور بربادی لیے ہوئے ہے اس کی بربادی پر میرا قلم افسردہ ہو جاتا ہے۔ یہ افسردگی کسی مخصوص خطے سے وابستہ نہیں بلکہ اس میں پوری دنیا کی تہذیب کا نوحہ سمٹ آیا ہے۔''(۱۱)

اس اقتباس کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ زاہدہ حنا کا معاشی شعور انتہائی بلند سطح پر ہے جہاں وہ ترقی کے نعروں کو محض ایک فریب قرار دیتی ہیں۔ وہ اس عالمی معاشی ڈھانچے کے خلاف سراپا احتجاج نظر آتی ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام کے تحت طاقتور کو مزید قوت بخشتا ہے اور کمزور کو مزید ناتواں کر دیتا ہے۔ ان کی یہ فکر محض جذباتی ردِ عمل نہیں بلکہ ایک گہرا معاشی موقف ہے جو استحصال کی جڑوں تک پہنچنا چاہتا ہے، اسی لیے ان کے افسانوں کے مقامی کردار اپنی معاشی جدوجہد کی وجہ سے ایک وسیع انسانی المیے کی علامت بن کر ابھرتے ہیں۔

زاہدہ حنا کے افسانوی مجموعوں میں عالمی سیاست کے زیرِ اثر جنگی صورت حال اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشی بحرانوں کو ایک اہم موضوع کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان کا افسانہ "تم کم بہت آرام سے ہے" اسی تناظر میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے، جس میں وہ یہ دکھاتی ہیں کہ بین الاقوامی طاقتوں کی پالیسیاں کس طرح عام آدمی کی معاشی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اس کہانی کے ذریعے وہ اس تلخ حقیقت کا ادراک کراتی ہیں کہ جنگ صرف سیاسی یا عسکری مسئلہ نہیں ہوتی، بلکہ اس کا سب سے بڑا خمیازہ انسانی بربادی اور معاشی تباہی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ افسانے میں ہسپتالوں اور ریلیف کیمپوں میں جاری امدادی سرگرمیوں کا تذکرہ دراصل جنگ کے نتیجے میں تباہ ہونے والے معاشی اور سماجی ڈھانچے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ زاہدہ حنا اس حقیقت کو المیہ بنا کر پیش کرتی ہیں کہ عالمی ایوانوں میں لیے گئے سیاسی فیصلوں کا معاشی بوجھ ہمیشہ عام انسان کے نحیف کندھوں پر ہی پڑتا ہے۔ اس حوالے سے ایک متاثرہ کردار کے جذبات کچھ یوں بیان ہوئے ہیں:

"امریکی بمباری کے خلاف کلکتہ کی سڑکوں پر لاکھوں لوگوں کا جلوس نکلا تو میں بھی اس میں شامل ہوئی تھی۔ ٹیلی ویژن پر میری جھلک دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئی تھیں۔ پھر جب کابل کے اندرا گاندھی انسٹی ٹیوٹ آف چائلڈ ہیلتھ کی طرف سے ریلیف ورک کے لیے ڈاکٹروں کی مانگ آئی اور میں نے والنٹیئر کیا تو گھر میں سب ناراض تھے مگر آپ نے مجھے آشیر واد دیا۔"(۱۲)

اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ان کا افسانہ "قیدی سانس لیتا ہے" ہے، جو ویتنام جنگ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس افسانے کے ذریعے مصنفہ نے یہ واضح کیا ہے کہ عالمی طاقتوں کی جنگی مہم جوئی صرف میدانِ جنگ تک محدود نہیں رہتی، بلکہ اس کے اثرات عام شہریوں کی معاشی حالت کو بدتر بنا دیتے ہیں۔ یہ افسانہ اس نفسیاتی اور معاشی دباؤ کا نقشہ کھینچتا ہے جہاں ریاستی جبر اور معاشی مجبوری انسان کو اپنی خواہشات کے برعکس فیصلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ زاہدہ حنا کا فن اس معاشی استحصال اور عالمی سیاست کے گہرے تعلق کو نہایت کامیابی سے بے نقاب کرتا ہے۔ اس معاشی اور نفسیاتی کشمکش کو افسانے میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"میں جنگ سے نفرت کرتا تھا اس کے باوجود مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں ویتنام جانے سے انکار کر دیتا اور دوسروں کے تمسخر اور سرکاری دباؤ کو برداشت کرتا۔ میں بہت بزدل ہوں، محض خواب دیکھنے والا انسان۔"(۱۳)

جنگ زدہ معاشروں کی معاشی بدحالی کی انتہا زاہدہ حنا کے افسانے "رقصِ مقابر" میں نظر آتی ہے، جس میں افغانستان کی طویل جنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غربت اور انسانی بے بسی کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں جنگی معیشت کے وہ بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں جہاں انسانی وجود کی قدر و قیمت معاشی بحران کے سبب ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ علامتی طور پر ایک ایسا منظر نامہ پیش کرتی ہیں جہاں انسانی ہڈیاں تک معاشی لین دین کا حصہ بن جاتی ہیں، جو کہ کسی بھی معاشرے کے معاشی زوال کی آخری حد ہے۔ مصنفہ کے نزدیک جب کوئی معاشرہ طویل عرصے تک سیاسی عدم استحکام اور جنگ کا شکار رہتا ہے تو وہاں انسانی حرمت معاشی بوجھ تلے دب کر مجروح ہو جاتی ہے۔ اس المیے کی عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"ہڈیاں لے لو، ہڈیاں لے لو۔ ازبک اور پشتون ہڈیاں، تاجک اور ترکمان ہڈیاں، ہزارہ اور پنجارہ ہڈیاں۔ پچاس سینٹ، پچاس سینٹ۔ یہ سرزمین قابل ہے، شاید اسی لیے یہ کسی کی حکومت برداشت نہیں کرتی۔"(۱۴)

زاہدہ حنا کے فکشن میں عالمی طاقتوں کی سیاسی ریشہ دوانیوں اور عسکری پالیسیوں پر گہری تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ ان کا افسانہ "رقصِ بسمل" اس حوالے سے ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں انہوں نے جدید دور کی جنگی سیاست اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والی ہمہ گیر تباہی کو محض تاریخی حقائق کے طور پر نہیں بلکہ طاقتور استعاروں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ اس افسانے میں جہاں جنگی ہولناکیوں کا ذکر ہے، وہیں اس سے جڑے معاشی بحران اور انسانی المیے کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ زاہدہ حنا نے تاریخ کے مختلف ادوار میں ہونے والی تباہی کو ایک لڑی میں پروتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ جنگ چاہے کسی بھی دور کی ہو، اس کا نشانہ انسانی تہذیب اور معیشت ہی بنتی ہے۔ ان کی اس فکر کی عکاسی درج ذیل اقتباس سے ہوتی ہے:

"یہیں کہیں آتشِ نمرود دہکائی گئی تھی، مگر آتشِ نمرود تو ہر زمانے میں دہکائی گئی۔ ہیروشیما اور ناگاساکی، مائی لائی اور تورابورا، بغداد اور بصرہ یہ سب آتشِ نمرود کے نئے روپ ہیں۔"(۱۵)

OPEN ACCESS

اس بیانیے کے ذریعے زاہدہ حنا نے ہیروشیما، ناگاساکی اور بغداد جیسے شہروں کی بربادی کو علامتی رنگ دے کر یہ نکتہ اجاگر کیا ہے کہ ان جنگوں نے نہ صرف انسانی جانوں کا زیاں کیا بلکہ پورے معاشی ڈھانچے کو بھی تہہ وبالا کر دیا۔ جنگ کے نتیجے میں صنعت، تجارت اور روزگار کے مواقع یکسر ختم ہو جاتے ہیں، جس کا براہِ راست اثر عام آدمی کی زندگی پر پڑتا ہے اور وہ بدترین غربت وبدحالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال عالمی سیاست اور معاشی بحران کے اس گہرے باہمی تعلق کو واضح کرتی ہے جسے زاہدہ حنا نے اپنے افسانوں کا مرکز بنایا ہے۔

علاوہ ازیں، زاہدہ حنا کے ہاں ہجرت، شناخت کی تلاش اور انسانی محرومی کے مسائل بھی معاشی تناظر میں خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کا افسانہ "معدوم ابنِ معدوم" اس موضوع پر ایک بصیرت افروز تخلیق ہے، جس میں ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی معاشی اور سماجی الجھنوں کو نہایت گہرائی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تقسیمِ ہند کے پس منظر میں لکھے گئے اس افسانے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ لاکھوں انسانوں کا اپنے آبائی علاقوں کو چھوڑ کر نئی سرزمینوں کی طرف ہجرت کرنا محض ایک جغرافیائی تبدیلی نہیں تھی، بلکہ اس عمل نے ان کی شناخت کے ساتھ ساتھ ان کے معاشی استحکام کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ ہجرت کے اس کرب اور اس سے جڑے معاشی مسائل کا تجزیہ زاہدہ حنا کے فن کا وہ پہلو ہے جو انہیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز کرتا ہے۔

زاہدہ حنا نے اپنے افسانوی جہان میں جہاں عالمی سیاست اور جنگی ہولناکیوں کو بے نقاب کیا ہے، وہیں معاشرے کے اندرونی ڈھانچے میں موجود بے حسی اور انسانی اقدار کے زوال کو بھی معاشی تناظر میں پیش کیا ہے۔ ان کا افسانہ "پتھر کی نسل" جدید معاشرتی نظام میں طبقاتی تفاوت اور معاشی مفادات کی اس تصویر کشی کرتا ہے جہاں انسانی رشتے اور جذبات، مالی فوائد کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ مصنفہ نے یہ واضح کیا ہے کہ جب معاشرے میں اخلاقی اقدار پر معاشی مفاد غالب آجائے تو انسانی ہمدردی کا عنصر دم توڑ دیتا ہے۔ آسیہ نازلی کے مطابق، زاہدہ حنا کا قلم ان بے صدا لوگوں کی آواز بنتا ہے جن کی معاشی تباہی اخباروں کی سرخیاں نہیں بن پاتی، اور وہ جنوبی ایشیا بالخصوص پاکستان میں دہشت گردی کے نتیجے میں ہونے والے معاشی نقصان کا دکھ ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

"برصغیر میں ہونے والی تباہی وبربادی بالخصوص پاکستان میں جاری دہشت گردی کے حوالے سے زاہدہ حنا کا قلم خون کے آنسو بہاتا نظر آتا ہے۔ زاہدہ کے کالموں میں مختلف شہروں کے موجودہ عہد کے مسائل کا اظہار جس دلسوزی سے ملتا ہے اسے معمولی نہیں لیا جاسکتا۔"(۱۶)

معاشی جبر اور اظہار کی پابندیوں کے حوالے سے ان کا افسانہ "پانیوں پر بہتی پناہ" بنگلہ دیشی ادیبہ تسلیمہ نسرین کی جدوجہد کے پس منظر میں معاشی اور سماجی دباؤ کی شدت کو واضح کرتا ہے۔ یہ افسانہ دکھاتا ہے کہ کس طرح مقتدر طبقات کی سخت تنقید اور معاشی پابندیاں کسی فرد کی تخلیقی آزادی کو سلب کر لیتی ہیں۔ اس انسانی کرب اور اظہار پر قدغن کی تصویر کشی ان الفاظ میں ملتی ہے:

"کیسی لکھنے والی ہو کہ مردہ باد۔۔۔ مردہ باد سے ڈر گئیں۔ بھئی اس سے بچنا چاہتی ہو تو لکھو اور خوب لکھو۔"(۱۷)

زاہدہ حنا کے ہاں معاشی محرومی اور ناانصافی کے خلاف مزاحمت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ افسانہ "تتلیاں ڈھونڈنے والی" میں وہ ایک ایسے معاشرے کی تصویر دکھاتی ہیں جہاں معاشی جبر کے باوجود انسانی امید کا چراغ روشن رہتا ہے۔ ان کے نزدیک معاشی ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانا ہی بہتر مستقبل کی ضمانت ہے۔ اسی طرح افسانہ "قیدی نرگس" میں معاشی محرومی اور قانون کی سختیاں انسانی رشتوں کو جس طرح متاثر کرتی ہیں، اس کا اظہار اس اقتباس سے ہوتا ہے:

"آخری ملاقات کا وقت ختم ہوا تو اماں غش کھا گئیں۔ بھیا سلاخوں سے چمٹ گیا وہ اس کے ہاتھوں کو پیار کر رہا تھا۔"(۱۸)

ہجرت کے معاشی اور جذباتی اثرات کا گہرا تجزیہ ان کے افسانے "معدوم ابنِ معدوم" میں ملتا ہے، جہاں وہ دکھاتی ہیں کہ ہجرت صرف زمین کا زیاں نہیں بلکہ تین نسلوں کے تجربات اور معاشی استحکام کا خاتمہ ہے۔ تقسیمِ ہند کے بعد پیدا ہونے والی معاشی بے یقینی اور شناخت کے بحران کو وہ ایک مہاجر خاندان کی زبانی یوں بیان کرتی ہیں:

"وہاں میرا مکان ہے دادی بیگم۔ وہاں ہماری ہوا اکھڑ چکی۔ یہاں سے جانے والوں کی بڑی بڑی جائیدادیں اپنی بنیادیں چھوڑ چکیں۔ تب ہی تو سب کے بچے باہر پڑھ رہے ہیں تب ہی تو سب گرین کارڈ کے خواب دیکھتے ہیں۔ یہاں سے جانے والے اپنا مقدمہ ہار چکے ہیں دادی بیگم۔۔۔ دادامیاں! آپ چھ سو برس سے اس زمین پر ہیں تو آپ برگد کی طرح ہوئے جو زمین سے جتنا اوپر نظر آتا ہے اس سے کہیں زیادہ گہرائی میں اور کہیں زیادہ دور تک پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ آپ کو اور دادی بیگم کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آپ یہاں گڑے ہوئے ہیں اور ہم؟ ہم سبز شیشے میں سانس لیتے ہوئے منی پلانٹ کی طرح ہیں۔۔۔ جس کا زمین سے کوئی ناطہ، کوئی رشتہ نہیں۔"(۱۹)

CC BY

مجموعی طور پر، زاہدہ حنا کے افسانوں میں معاشی مسائل محض ایک موضوع نہیں بلکہ وہ بنیاد ہیں جن پر انسانی نفسیات، اخلاقیات اور سماجی رویوں کی عمارت کھڑی ہے۔ ان کے ہاں غربت، بے روزگاری اور طبقاتی فرق کے مسائل چھوٹے کسانوں، مہاجرین اور شہری متوسط طبقے کی زندگی کے بنیادی محرکات بن کر ابھرتے ہیں، جو قاری کو معاشی ناانصافی کے خلاف سوال کرنے پر اکساتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، (ملتان: کتاب نگر، ۲۰۱۷ء)، ص:۲۲۸

۲۔ زاہدہ حنا، معدوم ابنِ معدوم، مشمولہ: رقصِ بسمل ہے، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ص:۴۵

۳۔ زاہدہ حنا، رقصِ مقابر، مشمولہ: رقصِ بسمل ہے، ص:۸۵

۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، جنگ اور امن، مشمولہ: سوال یہ ہے، (مرتبہ: نوشی انجم)، (ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۴ء)، ص:۳۳۷

۵۔ زاہدہ حنا، رقصِ مقابر، مشمولہ: رقصِ بسمل ہے، ص:۸۹

۶۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا: منفرد تخلیق، تنقیدی کہانی، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، س ن)، ص:۵۱

۷۔ زاہدہ حنا، کم کم بہت آرام سے ہے، مشمولہ: رقصِ بسمل ہے، ص:۱۵۸

۸۔ زاہدہ حنا، ہوا پھر حکم صادر، مشمولہ: رقصِ بسمل ہے، ص:۲۴۰

۹۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا: منفرد تخلیق، تنقیدی کہانی، ص:۱۲۵

۱۰۔ زاہدہ حنا، زیتون کی ایک شاخ، مشمولہ: تتلیاں ڈھونڈنے والی، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ص:۲۴

۱۱۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا: منفرد تخلیق، تنقیدی کہانی، ص:۲۱۴

۱۲۔ زاہدہ حنا، کم کم بہت آرام سے ہے، مشمولہ: رقصِ بسمل ہے، ص:۲۱۴

۱۳۔ زاہدہ حنا، قیدی سانس لیتا ہے، (کراچی: کتابیات پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ص:۳۳

۱۴۔ زاہدہ حنا، رقصِ مقابر، مشمولہ: رقصِ بسمل ہے، ص:۱۳۶

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۶۶

۱۶۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا: منفرد تخلیق، تنقیدی کہانی، ص:۲۱۰

۱۷۔ زاہدہ حنا، پانیوں پر بہتی پناہ، مشمولہ: رقصِ بسمل ہے، ص:۳۴

۱۸۔ زاہدہ حنا، تتلیاں ڈھونڈنے والی، مشمولہ: تتلیاں ڈھونڈنے والی، ص:۲۱

۱۹۔ زاہدہ حنا، معدوم ابنِ معدوم، مشمولہ: رقصِ بسمل ہے، ص:۴۵

Reference in Roman:

1. Anwar Ahmad, Dr., Urdu Afsana: Ek Sadi ka Qissa, (Multan: Kitab Nagar, 2017), p. 228

2. Zahida Hina, Ma'doom Ibn-e-Ma'doom, Mashmoola: Raqs-e-Bismil Hai, (Lahore: Al-Hamd Publications, 2017), p. 45

3. Zahida Hina, Raqs-e-Maqabir, Mashmoola: Raqs-e-Bismil Hai, p. 85

4. Saleem Akhtar, Dr., Jang aur Aman, Mashmoola: Sawal Yeh Hai, (Murattaba: Noshi Anjum), (Multan: Beacon Books, 2004), p. 337

5. Zahida Hina, Raqs-e-Maqabir, Mashmoola: Raqs-e-Bismil Hai, p. 89

6. Asiya Nazli, Zahida Hina: Munfarid Takhleeq, Tanqeedi Kahani, (Karachi: City Book Point, s.n.), p. 51

7. Zahida Hina, Kam Kam Bohat Aaram Se Hai, Mashmoola: Raqs-e-Bismil Hai, p. 158

8. Zahida Hina, Hua Phir Hukm Sadar, Mashmoola: Raqs-e-Bismil Hai, p. 240

9. Asiya Nazli, Zahida Hina: Munfarid Takhleeq, Tanqeedi Kahani, p. 125

10. Zahida Hina, Zaitoon ki Ek Shaakh, Mashmoola: Titliyan Dhoondne Wali, (Lahore: Al-Hamd Publications, 2017), p. 24

11. Asiya Nazli, Zahida Hina: Munfarid Takhleeq, Tanqeedi Kahani, p. 214

12. Zahida Hina, Kam Kam Bohat Aaram Se Hai, Mashmoola: Raqs-e-Bismil Hai, p. 214

13. Zahida Hina, Qaidi Saans Leta Hai, (Karachi: Kitabiyat Publications, 1990), p. 33

14. Zahida Hina, Raqs-e-Maqabir, Mashmoola: Raqs-e-Bismil Hai, p. 136

15. Ibid., p. 166

16. Asiya Nazli, Zahida Hina: Munfarid Takhleeq, Tanqeedi Kahani, p. 210

17. Zahida Hina, Paniyon Par Bahti Panah, Mashmoola: Raqs-e-Bismil Hai, p. 34

18. Zahida Hina, Titliyan Dhoondne Wali, Mashmoola: Titliyan Dhoondne Wali, p. 21

19. Zahida Hina, Ma'doom Ibn-e-Ma'doom, Mashmoola: Raqs-e-Bismil Hai, p. 45